26

جسمانی جنگ ختم ہوئی آؤ ہم روحانی جنگ کی تیاری کریں

(فرمودہ 17 اگست 1945ء بمقام ڈلہوزی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"دنیا میں انسانی زندگی اور قوموں کی زندگی پر مختلف دَور آتے رہتے ہیں اور ہر دَور کے مطابق کچھ اعمال ہوتے ہیں۔ جب کوئی انسان ان اعمال کو اپنے وقت پر بجالاتا ہے تو اس کے نتیجہ میں وہ تعریف و توصیف کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن دوسرے موقع پر جب کام کا معیّن وقت گزر جائے تو اس کی ادائیگی صحیح تصور نہیں کی جاسکتی۔ سوائے اِس کے کہ کوئی مجبوری یا معذوری ہو۔ مثلاً جب ظہر کی نماز کا وقت آتا ہے تو اس نماز کو جو شخص وقت پر ادا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے انعام اور اس کی رضا کا مستحق ہوتا ہے۔ یا معذوری اور مجبوری کی حالت میں دو نمازیں جمع کی جاسکتی ہیں جیسے ظہر و عصر، مغرب و عشاء کی نمازیں ہم یہاں جمع کرلیتے ہیں کیونکہ عام طور پر بارش ہوتی رہتی ہے۔ اور پھر چڑھائی کی وجہ سے نہ صرف دُور رہنے والے نماز میں شامل نہیں ہوسکتے بلکہ "پیس" میں رہنے والوں کا بھی ہر نماز میں شامل ہونا مشکل ہے۔ اس لئے ہم نمازیں جمع کرلیتے ہیں تاکہ لوگ زیادہ تعداد میں شامل ہوسکیں۔ پس ظہر عصر اور مغرب عشاء کی نمازیں جمع ہوسکتی ہیں لیکن صبح اور ظہر کی نمازیں جمع کرکے پڑھنا جائز نہیں اور عشاء اور صبح کی نمازیں جمع کرکے پڑھنا جائز نہیں۔

بہر حال جو شخص نمازوں کو وقت پر ادا کرتا ہے وہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص وقت پر ادا نہیں کرتا اگر وہ ایسی مجبوری کی وجہ سے ادا نہیں کر سکتا جس کی شریعت نے اجازت دی ہے تو وہ دوسری نماز کے ساتھ ملا کر پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً عصر کے وقت کوئی شخص بیہوش ہو جاتا ہے یا لڑائی میں شامل ہو جاتا ہے اور اسے فرصت نہیں ملتی کہ وہ عصر کی نماز وقت پر پڑھ سکے تو وہ عصر کی نماز مغرب کے ساتھ ملا کر بھی پڑھ سکتا ہے۔ عام حالات میں تو یہ جائز نہیں۔ لیکن اگر پیدا شدہ روک انسان کے تصرف سے باہر ہو تو یہ طریق مجبوری کی وجہ سے جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کسی نے عصر کی نماز بِالارادہ چھوڑ دی ہو اور وہ اسے کسی دوسرے وقت پر ادا کرنے لگا ہو تو یہ اس کے لئے جائز نہیں ہو گا۔ اِسی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ عقیدہ تھا کہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کوئی اسلامی مسئلہ نہیں۔ درحقیقت یہ بعض آخری زمانہ کے مسلمانوں کی جماعت تھی کہ وہ بِالارادہ چھوڑی ہوئی نمازوں کے متعلق یہ سمجھتے تھے کہ ہم ان کو دوسرے اوقات میں ادا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ کوئی نماز بِالارادہ چھوڑی ہوئی نماز کی قائمقام نہیں ہو سکتی۔ ہاں اس نماز کی قائمقام دوسرے وقت کی نماز ہو گی جو معذوری اور مجبوری کی وجہ سے چُھوٹ گئی ہو اور وہ بھی معذوری اور مجبوری کے دور ہونے کے معاً بعد جو نماز کا وقت آئے اُس وقت اگر وہ وقت انسان سُستی سے گزار دے تو پھر نماز بھی نہ ہو سکے گی۔ غرض وقت پر فرائض ادا کرنا اپنے ساتھ بہت بڑی برکات لاتا اور انسان کو بڑے بڑے فضلوں کا وارث بنا دیتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں آج سے تیس اکتیس سال پہلے ایک جنگ شروع ہوئی تھی اور آج سے 27 سال پہلے وہ لڑائی ختم ہوئی۔ وہ لڑائی 1914ء میں شروع ہوئی تھی اور 1918ء میں ختم ہوئی۔ 1914ء پر 31 سال گزر گئے ہیں اور 1918ء پر ستائیسواں سال گزر رہا ہے۔ یہ لڑائی خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑا عذاب تھی۔ اس جنگ سے پہلے ہی خدا تعالیٰ نے اِس بات کا اظہار فرما دیا تھا کہ میں دنیا میں ایک تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہلے سے خبر دے دی تھی کہ "زار" اُس وقت تباہ ہو جائے گا۔ دنیا پر ایک زبردست تباہی آئے گی۔ اور دنیا میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا

جائے گا۔ یہ لڑائی آئی اور چلی گئی لیکن ہماری جماعت نے اُس سے وہ فائدہ نہ اٹھایا جو اٹھانا چاہیے تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم اپنے فرائض کو سمجھتے اور دنیا میں ایک روحانی انقلاب پیدا کر دیتے۔ لیکن ہم میں سے بُہتوں نے سستی اور غفلت سے کام کیا۔

جیسا کہ میں بتا چکا ہوں صحیح کام وہی کہلاتا ہے جسے بروقت ادا کیا جائے اور پھر عقلمند وہی ہوتا ہے جو ہر تغیر کے مقابل پر اُس کے مناسب حال اثر قبول کرے۔ مثلاً ایک شخص کسی کو کوئی چیز دیتا ہے تو وہ اُسے لے کر جَزَاکُمُ اللّٰہ کہتا ہے۔ اگر پھر وہ اسے چیز دیتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ دوبارہ اُسے جَزَاکُمُ اللّٰہ کہے۔ یہ بچوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ بار بار چیزیں تو لیتے جاتے ہیں مگر بار بار شکریہ ادا نہیں کرتے۔ اگر بچے کو کوئی چیز دی جائے تو وہ جَزَاکُمُ اللّٰہ کہتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اُسے کوئی چیز دوبارہ یا سہ بارہ دے تو وہ جَزَاکُمُ اللّٰہ نہیں کہتا۔ وہ ایک بار جَزَاکُمُ اللّٰہ کو ہی کافی سمجھتا ہے۔ اگر اس کے ماں باپ اُس سے پوچھیں کہ تم نے جَزَاکُمُ اللّٰہ کیوں نہیں کہا؟ تو وہ کہہ دیتا ہے کہ میں نے جَزَاکُمُ اللّٰہ کہا تھا۔ وہ پوچھتے ہیں کب؟ تو کہتا ہے پہلی بار جو کہا تھا؟ لیکن عقلمند انسان ہر نئے فعل کے مقابلہ میں ایک نیا جواب پیش کرتا ہے۔ ہم خدا تعالیٰ کے قانونِ قدرت میں بھی دیکھتے ہیں کہ ہر سورج جو چڑھتا ہے اس کے مقابلہ میں زمین میں ایک نیا تغیر پیدا ہوتا ہے۔ ہر ہوا کے مقابلہ میں شگوفے اور پتے ایک نیا جواب پیش کرتے ہیں۔ اور ہر بارش جو برستی ہے زمین اُس کا نیا جواب پیش کرتی ہے۔ یہ نہیں کہ زمین کہے کہ پچھلے سال بارش ہوئی تھی تو اس کے مقابلہ میں مَیں نے سبزی اُگا دی تھی اس لئے اس سال نہیں اُگاتی بلکہ ہر چھینٹا جو پڑتا ہے زمیں اپنے نئے نشوونما سے اُس کا جواب دیتی ہے۔ اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے ہر نئے فعل کا مومن کی طرف سے ایک نیا جواب پیش ہونا چاہیے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہماری جماعت چندہ دیتی ہے، ہماری جماعت تبلیغ کرتی ہے، ہماری جماعت نمازیں پڑھتی ہے اور ہماری جماعت روزے رکھتی ہے۔ جس طرح وہ پہلی جنگ سے پہلے چندہ دیتی تھی اُسی طرح جنگ کے بعد بھی چندہ دیتی رہی۔ جس طرح جنگ سے پہلے تبلیغ کرتی تھی اُسی طرح جنگ کے بعد بھی کرتی رہی۔ جس طرح جنگ سے پہلے نمازیں پڑھتی تھی

اُسی طرح اب بھی پڑھتی رہی۔ جس طرح جنگ سے پہلے روزے رکھتی تھی اسی طرح جنگ کے بعد بھی رکھتی رہی۔ جو لوگ جنگ سے پہلے زکوتیں دیتے تھے ان میں سے صاحب توفیق اب بھی دیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جو نیا نشان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کیا گیا تھا اُس کے مقابل پر کونسی نئی چیز ہماری طرف سے پیش کی گئی۔ زمین کو دیکھو وہ بے جان ہے لیکن وہ ہر بارش کے مقابلہ میں نئی روئیدگی پیش کرتی ہے۔ وہ بے دل، بے دماغ اور بے جان چیز جو انسان کے مقابل پر کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتی سمجھتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والے ہر نئے چھینٹے کے مقابل پر میں نے ایک نیا جواب پیش کرنا ہے۔ اگر جنگل کی جھاڑیوں یا درختوں پر بارش ہوتی ہے تو زمین کا وہ حصہ بارش کے مقابل پر نئی ڈالیاں اور نئے پتے پیش کرتا ہے۔ اگر جنگل کے گھاس پھونس پر بارش ہوتی ہے تو اس بارش کے جواب میں زمین کچھ نیا گھاس پیدا کر دیتی ہے، کچھ نئی جھاڑیاں پیدا کر دیتی ہے، کچھ نئی ٹہنیاں پیدا کر دیتی ہے۔ اور اگر اس زمین میں جہاں بارش ہوتی ہے پھلدار درخت ہوں تو وہ بارش کے ان چھینٹوں کے مقابلے میں نئی خوشنمائی اور پہلے سے زیادہ حجم والے پھل پیش کر دیتے ہیں۔ مگر انسان جو سب سے زیادہ عقلمند کہلاتا ہے، جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا سب سے زیادہ وارث ہے اور جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے انعامات دیئے ہیں وہ خدا تعالیٰ کے کسی نئے فعل کے مقابل میں کوئی نیا جواب پیش نہیں کرتا۔ حالانکہ قانونِ قدرت میں ہمیں کوئی چیز ایسی نظر نہیں آتی جو ہر نئی تأثیر کے مقابلہ میں ایک نیا جواب پیش نہ کرتی ہو۔ لیکن انسان جو سب سے زیادہ عقلمند ہے اور جو خدا تعالیٰ کے فضلوں کا سب سے زیادہ وارث ہے وہی ہے جو ہر نئی چیز کے مقابلہ میں ایک نیا جواب پیش نہیں کرتا۔

پس یہ سوال نہیں کہ ہماری جماعت نے کیا نہیں کیا؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ ہماری جماعت نے کیا کیا؟ وہ ایک بہت بڑا موقع تھا جو جماعت نے ضائع کر دیا۔ اِس جنگ کے نتیجہ میں جو خلا پیدا ہوُا تھا اِس کو پُر کرنے کے لئے آگے آنا چاہئے تھا لیکن ہم نے اِس موقع کو کھو دیا۔ جس طرح ایک شخص جب باوجود تندرست ہونے کے روزہ نہیں رکھتا تو وہ دوبارہ اِس کوتاہی کے بدلہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا اِسی طرح اِس جنگ کے بعد خلا کو پُر نہ کرنے کی کوتاہی

کا علاج ہم دوبارہ نہیں کر سکتے تھے۔ اگر ہمیشہ ہمیش کے لئے کوئی نیا واقعہ پیش نہ آتا یا زیادہ دن گزر جاتے اور کوئی نیا نشان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر نہ ہوتا۔ ہاں توبہ اور استغفار کر سکتے تھے۔ جِس طرح بِالْاِرادہ روزہ نہ رکھنے والے وقت گزر جانے کے بعد روزہ نہیں رکھ سکتے۔ یا بِالْاِرادہ نماز چھوڑنے والے نماز کا وقت گزر جانے کے بعد نماز نہیں پڑھ سکتے۔ ہاں توبہ اور استغفار کر سکتے ہیں۔ اِسی طرح اِس جنگ کے بعد جو جواب ہونا چاہیے تھا اگر اُس جواب کو ہم نے خدا تعالیٰ کے سامنے پیش نہیں کیا تو ہمارے پاس اب سوائے اِس کے کوئی چارہ نہیں کہ ہم توبہ اور استغفار کرتے رہیں اور اپنی غفلت پر روتے رہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری اس کمزوری کو دیکھ کر کہ یہ مُردہ ملک اور مُردہ قوم میں پیدا ہوئے ہیں فرمایا کہ میں اس نشان کی پنج بار چمک دکھلاؤں گا۔ یعنی یہ لوگ ایک ایسی مُردہ قوم کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ایک ایسے مُردہ ملک میں رہتے ہیں کہ زندہ ملکوں اور زندہ قوموں کی طرح فورًا ایک نئے فعل کے مقابل پر نیا جواب نہیں دیتے۔ بلکہ اُس مُردہ اور سُوکھی ہوئی ٹہنی کی طرح ہیں جو ہر نئی بارش کے مقابل پر جواب پیش نہیں کر سکتی۔ بلکہ تین چار بارشوں کے بعد اس میں سبزی نظر آتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اب یہ ٹہنی لہلہانے لگ جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت پر رحم فرمایا اور اس کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ میں اپنے نشان کی چمک پانچ دفعہ دکھلاؤں گا۔ ان پانچ نشانوں میں سے پہلا نشان کانگڑے کا زلزلہ ہے۔ دوسری دفعہ جنگِ عظیم کا نشان ظاہر ہوا جو 1914ء میں ہوئی۔ اِس کے بعد بہار اور کوئٹہ کے زلازل آئے۔ اور اب چوتھی دفعہ پھر جنگ کے زلزلے کا نشان آیا جو اَب ختم ہو گیا ہے۔

جہاں یہ زلزلہ دنیا کے لئے عذاب تھا وہاں ہم پر خدا تعالیٰ کا احسان بھی تھا کیونکہ خدا تعالیٰ نے نہ چاہا کہ گزشتہ نشانوں کے کھو جانے کی وجہ سے ہمیں ہمیشہ کے لئے روتا چھوڑ دے۔ خصوصاً 1914ء کے نشان پر باوجود اِس کے کہ خدا تعالیٰ نے 1914ء میں ایسا نشان دکھایا تھا جو مخفی نہیں تھا جو کسی ایک انسان کے ساتھ تعلق رکھنے والا نہیں تھا، جو کسی ایک ملک کے ساتھ تعلق رکھنے والا نہیں تھا بلکہ سارے ملکوں کے ساتھ تعلق رکھنے والا تھا، جو کسی ایک شہر کے ساتھ تعلق رکھنے والا نہیں تھا بلکہ سارے شہروں کے ساتھ تعلق رکھنے والا تھا پھر

بھی اس نشان اور اس بارش کے مقابلہ میں ہم نے نئی ڈالیوں اور نئے شگوفوں کے رنگ میں کوئی جواب نہیں دیا۔ تب خدا نے کہا یہ سُوکھے ہوئے درخت ہیں اِن کے لئے ایک بارش کافی نہیں۔ ان کے زندہ کرنے کے لئے ویسی ہی بلکہ اس سے بھی بڑی ایک اَور بارش چاہیے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے پھر ایک بہت بڑا زلزلہ پیدا کر دیا اور ایک نیا نشان دکھلایا۔ پہلی جنگ تو اچانک آگئی تھی اور جماعت کو اس کے لئے تیاری کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن یہ جنگ خدا تعالیٰ نے اچانک پیدا نہیں کی بلکہ 1934ء سے جب سے کہ تحریک جدید شروع ہوئی ہے میں کہتا چلا آیا تھا کہ ایک بہت بڑا تغیر پیدا ہونے والا ہے اور ایک بہت بڑا خلا رونما ہونے والا ہے۔ اور میں جماعت کو یہ کہتا چلا آیا ہوں کہ تم اس کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب کوئی بدبخت ہی ہو گا جو اس نشان کے بعد یہ ارادہ نہ کر لے کہ وہ خدا تعالیٰ کے دین کے لئے اور اس فعل کے نتیجہ میں آنے والے خلاء کو پُر کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہے گا۔ اور اس نشان کے مقابلہ میں اپنی حالت میں ایک نیا تغیر پیدا کرے گا۔ جس طرح گلاب کا پودا اپنے میں سے گلاب کا ایک تازہ پھول نکال دیتا ہے اور چنبیلی کا پودا اپنے میں سے چنبیلی کا ایک نیا پھول نکال دیتا ہے اِسی طرح ہمیں بھی یہ ارادہ کر لینا چاہیے کہ ہم خدا تعالیٰ کے اس نشان کے بعد اپنے ایمان کا نیا مظاہرہ کریں گے۔ ہمیں یہ ایک خاص موقع ملا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی پہلی کوتاہیوں اور سستیوں کو دور کریں۔ ایسا نہ ہو کہ اُس شخص کی طرح جو بِالارادہ روزے نہیں رکھتا اور وہ اگلے رمضان سے پہلے مر جاتا ہے تو وہ توبہ لے کر تو خدا کے سامنے جا سکتا ہے لیکن روزے لے کر خدا کے سامنے نہیں جا سکتا۔ ہم بھی ندامت کے آنسو لے کر تو اُس کے سامنے جائیں لیکن عقیدت کے پھول اس کے سامنے پیش نہ کر سکیں۔ اگر ہم اِس جنگ کے آنے سے پہلے مر جاتے تو ہم ندامت لے کر ہی خدا تعالیٰ کے سامنے جاسکتے تھے لیکن اِس نشان کے مقابلہ میں ایمان کے جو پھول نکلنے چاہئیں تھے وہ ہم اس کے سامنے نہیں رکھ سکتے تھے۔ ہم آنسو لے کر تو خدا تعالیٰ کے سامنے جاسکتے تھے اور کہہ سکتے تھے کہ ہم نے تیرے ایک نشان کو دیکھا اور اس کے نتیجہ میں کوئی کام نہ کیا۔ ہم اپنے فعل پر نادم ہیں لیکن عقیدت اور محبت کا کوئی تحفہ اُس کے سامنے پیش نہیں کر سکتے تھے۔ اب تم خود غور کر لو۔ اِن دونوں باتوں میں کتنا عظیم الشان فرق ہے۔ کُجا خدا تعالیٰ کے سامنے

ندامت کے آنسو پیش کرنا اور کُجا اِس کے مقابلہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے ایمان کے پھول پیش کرنا۔

اب اگر اس واقعہ سے پہلے ہم پر موت آجاتی یا یہ واقعہ ہوتا ہی نہ تو ہم خدا تعالیٰ کے سامنے ندامت کے آنسوؤں کے سوا کیا پیش کر سکتے تھے۔ لیکن اب خدا تعالیٰ نے آسمان سے دوبارہ بارش نازل کر دی ہے اور دوبارہ ایک عظیم الشان نشان ظاہر کر دیا ہے تا کہ ہم خدا تعالیٰ کے سامنے ندامت کے آنسو ہی پیش نہ کریں بلکہ اس بارش کے مقابلہ میں اپنی نمازوں اور روزوں اور نیکیوں کی ڈالیوں سے نئے پھول پیش کر سکیں۔ پس ہماری جماعت کے ہر فرد کا اگر اس میں ایمان کا ایک ذرہ بھی باقی ہے فرض ہے کہ ان حالات کو سمجھتے ہوئے وہ ارادہ کرے کہ میں اپنے اندر ایسا تغیر پیدا کروں گا کہ جس سے وہ خلاء جو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے پُر ہو جائے۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے اس خلاء کو پُر نہیں کریں گے تو یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ اور اگر ہم نے اس کو کھو دیا تو یہ ہماری سخت بے وقوفی اور بدقسمتی ہوگی۔

پس میں جماعت کو پھر اس طرف توجہ دلاتا ہوں اور ایسے وقت میں توجہ دلاتا ہوں جبکہ جنگ کے بعد یہ قریب ترین وقت ہے اور جنگ کے بعد یہ پہلا خطبہ ہے جس کے پڑھنے کا مجھے موقع ملا ہے۔ اب تم میں سے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ بجائے اِس کے کہ وہ آرام کا سانس لے اپنی کمرِ ہمت کس لے اور سمجھ لے کہ یہ آرام کا وقت نہیں بلکہ کام کا وقت ہے۔ جنرل اسلم جو برہما فرنٹ کے کمانڈر ہیں اُن کا یہ فقرہ کیا ہی اچھا ہے۔ جب جرمنی کی جنگ ختم ہوئی تو اُن کے سٹاف کے لوگوں میں اِس پر رائے زنی ہونے لگی۔ تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد جنرل اٹھے اور کہا دوستو! جنگ ختم ہوگئی آؤ ہم جنگ کی تیاری کریں۔ یہی فقرہ اِس وقت ہر مخلص احمدی کو اِس طرح الفاظ بدل کر کہنا چاہیے جسمانی جنگ ختم ہوئی آؤ ہم روحانی جنگ کی تیاری کریں۔

یاد رکھو خدا تعالیٰ کی طرف سے بارش نازل ہو چکی ہے۔ اب خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہر جھاڑی یا بُوٹی کا یہ کام ہے کہ وہ اس کے مقابلہ میں عقیدت کے پھول پیش کرے۔ عقیدت کے پھول پیش کرنا ہماری زبان میں ایک محاورہ ہے۔ عام طور پر یہ محاورہ محض لطیفہ کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مگر ہمارے معاملہ میں تو یہ لفظاً لفظاً چسپاں ہو سکتا ہے۔ پس عقیدت کے پھول

پیش کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو تیار ہونا چاہیے اور پختہ ارادہ کرلینا چاہیے کہ ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے میں تیار رہوں گا۔ اور حقیقی اسلام یعنی احمدیت کو دوبارہ دنیا میں قائم کروں گا۔ اس کے متعلق بہت کچھ تفاصیل مَیں بیان کر چکا ہوں اور بہت کچھ ابھی رہتی ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے زندگی دی تو آئندہ بیان کر دیا جائے گا۔ لیکن ضرورت اِس بات کی ہے کہ تم میں سے ہر شخص جو اِس خطبہ کو سن رہا ہے اور ہر وہ شخص جس کو یہ خطبہ پہنچے وہ اپنے دل میں تہیا کرلے کہ میں صرف سابقہ غفلت اور ندامت پر آنسو نہیں بہاؤں گا بلکہ اب جو نیا موقع پیدا ہوا ہے اِس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والی بارش کے مقابلہ میں اپنی عقیدت کے نئے پھول پیش کروں گا۔ اگر جماعت ایسا کرے تو ہماری کامیابی میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمارے ارادے کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ارادہ بھی شامل ہو چکا ہے۔ اور جہاں دو چیزیں مل جائیں وہاں کامیابی بالکل یقینی ہوتی ہے۔

چاہیے کہ تم میں سے ہر شخص حسبِ توفیق صبح شام یا دوسرے دن یا ہفتہ یا مہینہ یا سال میں ایک بار اپنے نفس سے سوال کرے کہ کیا اِس جنگِ عظیم کے نشان کے بعد میں نے کوئی نیا پھول خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کیا ہے جو اس سے پہلے میں پیش نہ کیا کرتا تھا۔ مجھے اِس وقت اس سلسلہ میں ایک لطیفہ یاد آگیا ہے جو ہے تو معمولی لیکن میرے دل پر بڑا اثر رکھتا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے میں عصر کی نماز پڑھ کر مسجد مبارک کی سیڑھیوں سے اُتر رہا تھا۔ حضرت خلیفہ اول سامنے چوک میں کھڑے تھے۔ آپ نے مجھے اُترتے دیکھ کر آواز دی۔ میاں! اِدھر آؤ۔ ایک شخص میاں بگا ہوا کرتا تھا جو اَب فوت ہو چکا ہے وہ بھی حضرت خلیفہ اول کے پاس ہی کھڑا تھا۔ حضرت خلیفہ اول نے مجھے بلا کر فرمایا میاں بگا مجھے ملا ہے اور کہتا ہے کہ میرے نکاح کا سب انتظام ہو گیا ہے صرف تھوڑی کسر باقی ہے وہ آپ پوری کر دیں۔ اِس پر میں نے اُسے مبارک باد دی اور پوچھا کہ کیا انتظام ہوا ہے؟ تو اُس نے کہا میں بھی نکاح کے لئے راضی ہو گیا ہوں اور میری ماں بھی راضی ہو گئی ہے اب آپ لڑکی اور روپے کا انتظام کر دیں۔ پھر حضرت خلیفہ اول نے فرمایا دو کا انتظام تو میاں بگے نے خود کر لیا ہے اور دو کا انتظام تم کر دو۔ تو دیکھو لوگ بغیر کسی سامان کے بھی کامیابی کی امیدیں باندھ لیتے ہیں۔ لیکن ہماری کامیابی

تو یقینی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ اس کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اب ہمارا کام ہے کہ ہم بھی فیصلہ کر لیں کہ خدا تعالیٰ ہم میں جو تبدیلی پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے مطابق ہم اپنے آپ کو ڈھالیں گے۔ جس طرح خدا ہم میں تبدیلی پیدا کرتا چلا جائے گا اُسی طرح ہم تبدیل ہوتے چلے جائیں گے اور چونکہ یہ کام خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق ہو گا اس لئے ہماری کامیابی میں کوئی شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں لوگوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ محض خیالی باتوں سے ہی خوش ہو جاتے ہیں اور اپنی کامیابی کی خوابیں دیکھنی شروع کر دیتے ہیں۔ ہٹلر کو دیکھو اسے تمام دنیا فتح کرنے کا خیال تھا۔ حالانکہ دنیا کی تمام بڑی بڑی سلطنتیں اُس کے خلاف تھیں۔ اس کے پاس کچھ فوج تھی اور کچھ سائنس دان تھے مگر اِتنی سی بات پر اُس نے سمجھ لیا کہ میں جیت جاؤں گا۔ اسی طرح جاپان کیا تھا؟ ایک مُردہ اور اپنے ملک سے نہ نکلنے والی قوم تھی۔ مگر چالیس سال کے اندر اُس میں بیداری پیدا ہوئی اور اس قوم کے افراد نے تھوڑی سی بیداری سے یہ سمجھ لیا کہ ہم ساری دنیا کو مٹا دیں گے، سارے ایشیا کو غلام بنالیں گے۔ اس نے خیال کیا کہ ہماری دو چار میٹھی باتوں سے لوگ سمجھیں گے کہ ہم ان کو آزاد کرانے آئے ہیں اور ہمارے عملوں کو دیکھ کر کوئی یہ خیال نہیں کرے گا کہ ہم انہیں غلام بنانے آئے ہیں۔ جب لوگ اتنے چھوٹے چھوٹے واقعات پر اتنی امیدیں باندھ لیتے ہیں تو ہماری کتنی بد قسمتی ہو گی کہ ہم اپنی کامیابی کی امید نہ رکھیں جبکہ خدا تعالیٰ اس کامیابی کا فیصلہ کر چکا ہے۔ اب ہمارا کام ہے کہ ہم بھی اپنے اندر تغیر پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیں۔ جب خدا کا فیصلہ اور مومنوں کا فیصلہ دونوں اکٹھے ہو جائیں تو پھر کوئی طاقت ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ پس اب کامیابی کا تمام تر انحصار ہمارے اپنے فیصلہ پر ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے کہ کوئی اندھا تھا وہ کچھ ساتھیوں سمیت ایک سرائے میں ٹھہرا اور کسی ساتھی کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ باتیں کرتے کرتے بہت رات ہو گئی۔ ایک اَور شخص حافظ کی باتیں سن سن کر تنگ آ گیا اور کہا حافظ جی! بہت رات ہو گئی ہے اب سو جائیں۔ حافظ جی نے جواب دیا سونا کیا ہے چُپ ہی ہو رہنا ہے۔ یعنی سونا نام ہے آنکھیں بند کر لینے اور چُپ ہونے کا۔ آنکھیں تو پہلے ہی بند ہیں اب صرف زبان ہی کو روکنا ہے۔ جس طرح سونا نام ہے خاموش ہو جانے کا اور آنکھیں بند کر لینے کا اِسی

طرح قومی کامیابی نام ہے خدا تعالیٰ اور مومنوں کے ارادہ کے مل جانے کا۔ خدا تعالیٰ تو ارادہ کر چکا ہے اب ہماری کامیابی صرف یہ ہے کہ ہم بھی ارادہ کر لیں۔ اگر ہم ارادہ کر لیں گے تو ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ لوگ کامیابی کے لئے پہلے خود ارادہ کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کے آگے ناک رگڑتے ہیں اور پھر بھی وہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے لئے کتنی سہولت ہے کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ پہلے سے ہو چکا ہے اب ہمارا ارادہ جو چھوٹی سی چیز ہے باقی ہے اس کے بعد دنیا فتح ہو جائے گی۔

پس چاہیے کہ ہم ارادہ کر لیں اور ہر کام کے لئے اور ہر قربانی کے لئے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ جو لوگ قربانی کے لئے تیار نہیں ہوتے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہماری قربانی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے خدا تعالیٰ ایک لاکھ روپیہ کسی کے سامنے پیش کرے اور کہے کہ اس میں ایک روپیہ ڈال دو تو ایک لاکھ روپیہ تمہارا ہو جائے گا۔ لیکن وہ ایک لاکھ روپیہ میں ایک روپیہ ڈال کر ایک لاکھ ایک روپیہ لینے کے لئے تیار نہ ہو۔ اور سمجھتا ہو کہ ایک روپیہ کے پاس رکھنے میں ہی میری کامیابی ہے۔ اس سے زیادہ نادان کون ہو گا۔ جس کے لئے خدا تعالیٰ اپنی ساری قدرت پیش کرے اور کہے کہ اپنا ایک روپیہ اس ایک لاکھ میں ڈال دو تو یہ سارا روپیہ تمہارا ہو جائے گا۔ لیکن وہ اس کے لئے تیار نہ ہو۔ پس ہماری جماعت کے لئے ضروری ہے کہ موجودہ خلاء کو پُر کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ اور اپنے ارادہ کو خدا تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ ملا دے تاکہ وہ خدا کی ہو کر ساری دنیا کے لئے ہدایت کا موجب بنے۔ اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کی ایسی وارث ہو کہ اس کے دربار میں ہمیشہ اُس کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے۔"

(الفضل 23 / اگست 1945ء)